(غلام گردش)

جغرافیائی تقسیم بہر حال نامکمل ہے!

چند علاقے، ریاستیں اور ملک ہمیشہ کسی نہ کسی آزمائش میں مبتلا رہتے ہیں۔ پتہ نہیں کہ آزمائش کا لفظ درست حالات کی عکاسی کرتا ہے۔شائد مشکل میں رہتے ہیں۔ بہر حال جو بھی الفاظ استعمال کرلیں یہ خطے کبھی بھی مستحکم نہیں ہو پائے۔ کسی نہ کسی افتاد کے منظر رہتے ہیں اور قدرت ہمیشہ انکا امتحان لیتی رہتی ہے۔جس زمینی ٹکڑے پر ہم سارے سانس لے رہے ہیں یہاں کے معروضی حالات کبھی بھی درست نہیں رہے۔ایسا کیوں ہے۔اسکی بہت سی وجوہات ہیں۔مگر ایک بہت بڑی وجہ بالا دستی حاصل کرنے کی وہ سماجی یا حکومتی کشمکش ہے جس سے چھٹکارا حاصل کرنا ناممکن ہو چکا ہے۔حالیہ تناظر میں کشمیر کی بدحالی اور وہاں کے معاملات پر بہت بحث ہو رہی ہے۔اس میں سے اکثر باتیں صرف اور صرف ذاتی یا ریاستی جذباتیت ہیں۔تلخ سچ تو یہ ہے کہ برصغیر کے دوسرے علاقوں کی طرح کشمیر کبھی امن اور ترقی کا مرکز نہیں بن پایا۔شائد کوئی قدرت کی سزا ہے کہ ہمارے جیسے ملکوں میں کوئی منفی معاملہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا۔ویسے اب تو ترقی، خوشحالی کے الفاظ صرف اور صرف سراب نظر آتے ہیں۔ترقی دیکھنی ہے تو مغرب کی طرف جایئے۔وہاں جا کر معلوم ہوتا ہے کہ انسان کیسے انسانوں کی طرح زندہ ہیں۔حکومت کا مطلب کیا ہے۔بہترین ریاستی نظام کیا ہوتا ہے۔جب بھی یورپ یا امریکہ سے واپس آتا ہوں تو سوال ذہن میں بار بار آتا ہے کہ اگر وہ انسان ہیں تو خدایا ہم کیا ہیں۔اگر وہ ملک ہیں تو پھر ہمارا ملک کیا ہے۔ویسے اب نہ سوال پوچھنے کو دل چاہتا ہے نہ جواب مانگنے کو۔مگر سوچ ضرور ہے کہ کیا تغیرات زمانہ صرف اور صرف ہمارے خطے کیلئے وجود میں آئی ہیں۔کشمیر کی تاریخ اور موجودہ حالات کو پرکھیں تو انکی حالتِ زار بتانے کیلئے کوئی بھی لفظ سامنے نہیں آتا۔جبر، وہشت یا بربادی۔شائد یہ سب کچھ ملا کر کچھ سمجھ آجائے۔ایک ہزار برس پہلے بھی حالات ایسے ہی تھے اور اسکے بعد بھی۔

محترم مہیب الحسن نے کشمیر کی ابتدائی تاریخ پر بھرپور روشنی ڈالی ہے۔گیارہ سو عیسوی میں وہاں لوہارا خاندان کی حکومت تھی۔مگر اس وقت بھی ریاستی جبر بھرپور طاقت سے موجود تھا۔اسکے بعد رنجانہ نام کے ایک بدھ نے حکومت، جنگ کے بعد قائم کی۔بعد میں رنجانہ مسلمان ہوگیا۔اسکے ایک وزیر شاہ میر نے بغاوت کر کے کشمیر پر اپنی حکومت قائم کرلی۔چودھویں صدی میں اسلام کشمیر کا سب سے بڑا مذہب بن چکا تھا۔اسلام پھیلانے میں شیخ نورالدین نورانی کا بہت ہاتھ تھا۔یہ ایک صوفی بزرگ تھے۔نہ صرف مسلمانوں بلکہ ہندوؤں میں بھی حد درجہ احترام سے دیکھے جاتے تھے۔ہندو انہیں ''نندرشی'' کہتے تھے۔دیکھا جائے تو مغل سلطنت سے پہلے بھی کشمیر پر مسلمانوں کی حکومت تھی۔اکبر اعظم پہلا بادشاہ تھا جس نے کشمیر کو اپنی سلطنت میں باقاعدہ شامل کیا۔پہلے افغان صوبے کا ایک حصہ بنایا گیا۔شاہ جہاں نے مکمل صوبہ کا درجہ دیدیا۔چار صدیوں کی مسلسل حکومت کے بعد، رنجیت سنگھ نے کشمیر پر قبضہ کرلیا۔سکھوں کا دارالحکومت لاہور تھا اور انہیں کشمیر سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔تاریخ کے تناظر میں دیکھا جائے تو مسلمانوں کے خلاف باقاعدہ اقدامات، ہندوؤں نے نہیں بلکہ سکھ فاتحین نے کیے تھے۔جیسے اس دور میں آذان پر پابندی لگادی گئی تھی۔گائے ذبح کرنا غیر قانونی تھا۔مساجد پر بھی پابندی لگادی گئی تھی۔انگریزوں اور سکھوں کی باہمی جنگ کے بعد مہاراجہ گلاب سنگھ نے ''معاہدہ امرتسر'' کے تحت کشمیر میں اپنی باضابطہ حکومت قائم

رکھنے کی اجازت لے لی۔اس معائدے میں کشمیر کا پورا علاقہ پچھتر لاکھ روپے میں فروخت کیا گیا تھا۔1857 کی جنگ آزادی میں ڈوگرا حکمرانوں نے بھرپور طریقے سے ایسٹ انڈیا کمپنی کا ساتھ دیا۔کمپنی بہادر نے وفاداری کے اس قدم کو بھرپور طریقے سے سراہا اور گلاب سنگھ کی حکومت کو مقامی طور پر بے حد مضبوط کر ڈالا۔ہنزہ،نگر اور گلگت پہلے ریاست کا حصہ نہیں تھے۔مگر انگریزوں نے یہ تمام علاقے گلاب سنگھ کے جانشین،رمبیر سنگھ کی حکومت میں شامل کرنے کی اجازت دیدی۔مقامی مسلمانوں کے حالات ڈوگرا حکمرانی میں حد درجہ دگرگوں رہے۔مسلمانوں کو اس دور میں تقریباً جانوروں کی سطح پر رکھا گیا۔ان میں تعلیم نہ ہونے کے برابر تھی۔معاشی معاملات بھی بہت خراب تھے۔1930 میں مقامی مسلمانوں میں فکری بہتری کے کچھ آثار نظر آنے شروع ہو چکے تھے۔

1947 میں کشمیر پر ہری سنگھ کی حکومت تھی۔مقامی آبادی میں ستتر فیصد مسلمان تھے اور بیس فیصد دیگر مذاہب کے افراد تھے۔بہت کم لوگ اس حقیقت کا ذکر کرتے ہیں کہ مہاراجہ کے خلاف بغاوت بنیادی طور پر پونچھ میں شروع ہوئی۔وجوہات میں ایک تو ہری سنگھ کے ٹیکس کے نظام کے خلاف نفرت تھی اور دوسرا مسلمانوں کی اکثریت پاکستان کے ساتھ الحاق چاہتی تھی۔مہاراجہ نے ہندوستان اور پاکستان کے ساتھ Standstill agreement کیا۔مطلب تھا کہ ریاستی معاملات کو جوں کا توں رکھا جائیگا۔پونچھ کی بغاوت میں،موجودہ پاکستان کے قبائلی علاقوں کے جنگجو بھی شامل ہو گئے اور ہری سنگھ پوری طاقت کے باوجود بھی مقابلہ کرنے سے قاصر رہا۔یہی وہ بنیادی نکتہ ہے جسکے زیرِ اثر ہری سنگھ نے بھارتی حکومت کے ساتھ Instrrument of Accession دستخط کیا۔ معائدہ جلدی میں ضرور کیا گیا۔مگر اس معائدے کے تمام نکات میں لکھا گیا تھا کہ انڈین حکومت یکطرفہ طور پر کسی قسم کی تبدیلی نہیں کر سکتی۔ معائدے کے تحت،کشمیر کو ایک مخصوص حیثیت دی گئی۔اسکے معاملات کافی حد تک خودمختاری کی طرف جاری تھے۔اس معائدہ پر کبھی بھی عمل نہیں ہوا۔27 اکتوبر 1947 کو معائدہ دستخط ہوا تھا اور اسی دن بھارتی حکومت نے کشمیر میں فوج داخل کر دی تھی۔دیکھا جائے تو مقامی لوگوں کو اپنا حق رائے دہی کے اظہار کیلیئے ایک دن بھی نہیں دیا گیا۔پاکستان نے اس معائدے کو اس بنیاد پر تسلیم نہیں کیا کہ مہاراجہ حالات کی وجہ سے بھارتی حکومت کے سامنے بے بس تھا اور اس نے مقامی آبادی سے قطعاً معلوم نہیں کیا کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔ابتدائی دنوں میں ہندوستان کے وزیراعظم جواہرلال نہرو نے وعدہ کیا تھا کہ کشمیر کے معاملات پر مقامی لوگوں کی رائے بذریعہ ووٹ معلوم کی جائیگی۔ہندوستان کے آئین میں نہرو نے کشمیر کا ''مخصوص مقام'' برقرار رکھا تھا۔مگر بدقسمتی یہ ہے کہ 1947 سے لیکر آج تک اس مشکل معاملہ کو پُرامن طریقے سے حل کرنے کی بجائے جنگوں کا سہارا لیا گیا۔پاکستان اور ہندوستان اس وقت تک چار جنگیں لڑ چکے ہیں۔ان میں سے ایک بھی فیصلہ کن ثابت نہیں ہوئی۔

کانگریس کیونکہ اس معاملہ میں براہِ راست فریق تھی۔اسلیے انکارِ عمل بقیہ سیاسی جماعتوں سے نسبتاً مختلف تھا۔آر ایس ایس نے 1958 کے انتخابی منشور میں کشمیر کی مخصوص حیثیت ختم کرنے پر زور دیا تھا۔اگر آج بھی بی جے پی اور آر ایس ایس کے تنظیمی لٹریچر کا جائزہ لیں تو یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ وہ ہندوستان کے آئین میں کشمیر کو دی گئی کسی سہولت کو تسلیم نہیں کرتی۔اس بات کا ادراک ہونا چاہیے کہ بی جے پی نے آئین کی شق 370 کو ختم کرنے کا کوئی نیا کام نہیں کیا۔بلکہ یہ عنصر تو پارٹی منشور میں شامل ہے۔کشمیر کا بیشتر علاقہ ہندوستان

کے پاس ہے۔ 2011 میں ہونے والی مردم شماری کے تحت لداخ سمیت مکمل آبادی ایک کروڑ پچیس لاکھ ہے۔ جموں میں تقریباً پچپن لاکھ اور کشمیر میں ستر لاکھ لوگ بستے ہیں۔ لداخ کی آبادی حد درجہ کم ہے۔ آٹھ برس پہلے یہاں صرف تین لاکھ نفوس تھے۔ مذہب کے اعتبار سے دیکھا جائے تو کشمیر میں 96 فیصد آبادی مسلمان ہے۔ جموں میں یہ ترتیب بدل جاتی ہے۔ وہاں باسٹھ فیصد ہندو ہیں اور مسلمان صرف تینتیس فیصد ہیں۔ لداخ میں مسلمان تقریباً پچاس فیصد ہیں۔ کشمیر واحد ریاست ہے جہاں 2019 اگست تک ایک مقامی آئین تھا اور ساتھ ساتھ انکا الگ جھنڈا تھا۔ سرخ رنگ کے اس جھنڈے کے آخر میں تین سفید لکیریں تھیں جو کشمیر، جموں اور لداخ کی ترجمانی کرتی تھیں۔ ریاستی اسمبلی اور اپنی ہائیکورٹ تھی۔ آرٹیکل 370 کے ختم ہونے کے بعد یہ تمام چیزیں معدوم ہو چکی ہیں۔ ایک انتہائی عجیب بات۔ آج تک کسی مظاہرہ یا جلوس میں سرخ رنگ کا مقامی کشمیری جھنڈا دیکھنے کو نہیں ملا۔ اکثریت پاکستان یا آزاد کشمیر کا جھنڈا لہراتے نظر آتے ہیں۔ اس وقت صورتحال اس قدر خراب ہے کہ مقبوضہ کشمیر کا کوئی وزیر اعلیٰ ہی نہیں ہے۔ مرکز سے صدارتی اختیارات کے تحت حکومت کی جا رہی ہے۔ جس میں تمام اختیارات گورنر ستیا پال ملک کے پاس ہیں۔ وزیر اعلیٰ تو دور کی بات، کوئی نائب وزیر اعلیٰ تک موجود نہیں ہے۔ چیف سیکرٹری بھی دہلی سے تعینات کیا گیا ہے۔ یعنی مقامی انتظامیہ مکمل طور پر مفلوج کر دی گئی ہے۔ موجودہ چیف سیکرٹری بی۔ وی۔ آر۔ سبرانیم ہے جسکا واضح جھکاؤ بی جے پی کی طرف ہے۔ اس وقت کی صورتحال سب کے سامنے ہے۔ اسکو پوری دنیا میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا جا رہا ہے۔ عملی تاثر کیا ہوگا۔ اس پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

یہاں ایک نازک نکتے پر گزارشات پیش کرنا چاہتا ہوں۔ سوال یہ ہے کہ کیا کشمیری لوگ، پاکستان کے ساتھ الحاق چاہتے ہیں۔ طالبعلم کی نظر میں اسکا جواب نفی میں ہے۔ کشمیر کے لوگوں کی اکثریت ایک علیحدہ اور خودمختار ملک کا قیام چاہتی ہے۔ کیا یہ نیا ملک بن پائیگا۔ یا اسکی اجازت دی جائیگی۔ اس پر فی الحال وثوق سے بات نہیں کی جا سکتی۔ مگر پاکستان میں اکثریت یہی گردانتی ہے کہ کشمیر پاکستان کا حصہ بن جائیگا۔ یہ خوش فہمی ہے اور اسکی کوئی مضبوط تاریخی بنیاد نہیں ہے۔ ٹھیک ہے۔ نعروں کی حد تک یہ ایک خوبصورت جملہ ہے۔ مگر حقیقت شائد اسکے بالکل برعکس ہو۔ اس سوال پر کم از کم ہمارے ملک میں کوئی سنجیدہ بحث نہیں ہوتی۔ ہندوستان میں بھی غیر سنجیدگی اور جذباتیت ہے۔ ہاں، اب انکے نعروں کے پیچھے معاشی ترقی بہر حال موجود ہے۔ جو شائد، ہمارے ہاں، ٹھوس بنیادوں پر اُستوار نہیں ہو سکی۔ مستقبل میں کیا ہوگا۔ یہ بھی ایک سوال ہے۔ مگر یہاں تو سوالات ہی سوالات ہیں۔ جواب تو کسی کے پاس نہیں ہے!

راؤ منظر حیات